مُعینُ الطّریقت

شیخِ اکبر امام محیُ الدّین ابنِ عربیؒ

ترجمہ
مُعین نظامیؒ

کلیۂ علومِ اسلامیّہ و شرقیّہ
جامعہ پنجاب ○ لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم

به مَی سجّاده رنگین کُن گرت پیرِ مغان گوید
که سالك بی خبر نبود زِ راه و رسمِ منزلها

(حافظ)

مُعینُ الطّریقت

شیخِ اکبر امام محیی الدین ابنِ عربیؒ

ترجمہ:

معین نظامی

استادِ شعبۂ فارسی

یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

اہتمام:

کلّیۂ علومِ اسلامیّہ و شرقیّہ، جامعہ پنجاب، لاہور

جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ

کتاب : "الامر المحکم المربوط فیما یلزم
أهل طریق اللّٰہ من الشروط"

اردو ترجمہ : معین الطّریقت

ترجمہ و تحشیہ : معین نظامی، شعبۂ فارسی،
یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

سالِ اشاعت : ۲۰۰۰ء

کمپوزنگ : حافظ تنویر حمزہ، حافظ کمپوزنگ سنٹر،
فیصل پارک شاہدرہ - لاہور

ناشر : کلیۂ علوم اسلامیہ وشرقیہ،
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

قیمت : [redacted] روپے
300/

گرامی قدر پروفیسر افتخار احمد چشتی مدظلہ
کی گراں قدر علمی و روحانی خدمات کے نام!

آنچه زرمی شود از پرتوِ آن قلبِ سیاه
کیمیایی ست که در صحبتِ درویشان ست

(حافظ)

فہرست

☆ ☆ ☆

هرآن که جانبِ اهلِ خدا نگه دارد
خداش درهمه حال از بلانگه دارد

(حافظ)

تصدیر

آج کے ہنگامہ پرور معاشرے میں نئی نسل کو ذرائعِ ابلاغ کی روز افزوں یلغار سے ممکنہ حد تک محفوظ رکھنے اور اپنی اعلیٰ اقدار کی پاسداری کے لیے ضروری ہے کہ سنجیدہ دینی اور عرفانی ادب کو فروغ دیا جائے۔ زیرِ نظر کتاب کی اشاعت وقت کی اسی اہم ضرورت کے پیشِ نظر عمل میں آ رہی ہے۔ موجودہ دور میں دل و نظر کی طہارت کے لیے ایسے چراغ جلتے رہیں تو ان شاء اللہ خیر کی قوتوں کو غلبہ حاصل رہے گا۔

شعبۂ فارسی یونیورسٹی اوری اینٹل کالج لاہور کے استاد، محترم معین نظامی نے حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے ایک مختصر مگر جامع اور مفید رسالے کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ معین نظامی صاحب خود بھی ایک معروف علمی و روحانی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں اور کئی علمی، تحقیقی اور ادبی کتابوں اور مقالات کے مؤلف اور فارسی اور اردو کے ممتاز شاعر ہیں۔ انھوں نے ترجمے کا اسلوب بہت آسان اور عام فہم رکھا ہے۔ اس عمدہ کام پر وہ بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کے مطالعے سے تشنگانِ معرفت کے ذوق کی سیرابی ہو گی۔

۳۱- اکتوبر ۲۰۰۰ء

پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت
ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ
اوری اینٹل لرننگ، پنجاب یونیورسٹی
لاہور۔

پیش لفظ

زیر نظر ترجمہ آج سے پندرہ سال پہلے تسکین ذوق کے لیے کیا گیا تھا۔ اُن دنوں مَیں بی اے کا طالب علم تھا۔ اپنی کامل بے بضاعتی کے باوجود مَیں نے مقدور بھر کوشش کی تھی کہ ترجمہ بامحاورہ اور آسان ہو۔ اس دوران میں میرے جدِ امجد حضرت خواجہ حافظ غلام سدید الدّین معظمیؒ کی حوصلہ افزائی اور راہنمائی میرے شامل حال رہی۔ بعد میں میں والدِ بزرگوار پروفیسر صاحبزادہ غلام نظام الدین مرحوم نے اس پر نظر ثانی کی اور اس کی اشاعت پر زور دیا۔ اللہ تعالیٰ دونوں کے درجات بلند تر فرمائے (آمین)۔

اس کی اشاعت میں بہ وجوہ چند در چند تاخیر ہوتی رہی۔ تا آں کہ محترمہ پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت صاحبہ ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اوری اینٹل لرننگ اور ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور کی مُربّیانہ تشویق اور مشفقانہ سرپرستی میں ۱۹۹۸ء میں مسوّدے پر نظرثانی کی گئی اور اب یہ مطبوعہ صورت میں ہدیۂ قارئین ہے۔ میں تہِ دل سے ڈاکٹر صاحبہ کا ممنون ہوں کہ اگر اُن کی خصوصی عنایت اور حُسنِ اہتمام نہ ہوتا تو شاید اب بھی یہ اوراق سپردِ طاقِ فراموشی ہی رہتے!

حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب نے ابتدائی ترجمہ اور پروفیسر ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب نے نظر ثانی شدہ حتمی مسوّدہ مدِ نظر رکھ کر تحریری آرا سے نوازا۔ ان حضرات کی تقاریظ بلاشبہ کام کی وقعت اور ناچیز کی عزت میں اضافے کا سبب بنیں۔ مَیں ان کا شکر گزار ہوں۔

۲۷- ستمبر ۲۰۰۰ء

معین نظامی
شعبۂ فارسی، یونیورسٹی اوری اینٹل کالج لاہور

تقاریظ

۱- علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

۲- ڈاکٹر عارف نوشاہی

تو کز سرایِ طبیعت نمی روی بیرون
کجا به کُویِ طریقت گذر توانی کرد؟
(حافظ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندہ مومن کی زندگی میں جمود اور تعطل کا گزر نہیں ہوتا اس کا ہر لمحہ جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ وہ ہر وقت کلمۂ حق کی سربلندی اور باطل کی سرکوبی کے محاذ پر رہتا ہے اسی کا نام جہاد ہے۔ جہاد دو قسم کا ہوتا ہے:-

۱- اندرونی دشمنوں کے خلاف جہاد' آیہ کریمہ میں اسی کا ذکر ہے:

يَا اَيُّها النَّبِيُّ جَاهِدِ الكُفَّارَ وَالمُنٰفِقِيْنَ وَاغلُظْ عَلَيهِم (۱)

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔

۲- اندرونی دشمن' نفس امارہ سے جہاد' حدیث شریف میں ہے:

المجاهد مَن جاهد نفسه فی طاعة الله (۲)

مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالی کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔

خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے تشریف لائے تو صحابہ کرام کو فرمایا:

قد متم خیر مقدم وقد متم مَن الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر (۳)

تمہارا آنا خیر و برکت والا ہے۔ اور تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو۔

صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا: انسان کا اپنی خواہش نفس سے جہاد۔

مجاہدۂ نفس کو جہاد اکبر اس لیے فرمایا کہ خارجی دشمن کا مقابلہ نسبتاً

آسان ہوتا ہے لیکن اندر سے اٹھنے والی ناروا خواہشات کا گلا دبانا مشکل ہوتا ہے اس کے لیے اللہ تعالی کی خصوصی تائید کی ضرورت ہوتی ہے۔ نفس کو اخلاقِ ذمیمہ اور اوصاف قبیحہ سے پاک کر کے مقام اخلاص و احسان تک پہنچانے کا نام ہی تصوف ہے۔

تکمیل انسانیت کے لیے عقائد اور اعمال کا صحیح نہج پر قائم ہونا ضروری ہے پھر اعمال دو قسم کے ہیں۔ بعض کا تعلق ظاہری اعضاء سے ہے جیسے نماز اور روزہ وغیرہ اور بعض کا تعلق دل سے ہے جیسے شکر اور خضوع و خشوع وغیرہ - ظاہری و باطنی عمل اور عقیدے کی صحت کا نام ہی دین ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام' ایمان اور احسان کے بارے میں پوچھتے ہیں:- حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سوالات کے جوابات ارشاد فرمائے اور ان کے جانے کے بعد فرمایا:

هذا جبرئيل جاء يعلم الناس دينهم (٤)

یہ جبرئیل امین تھے جو لوگوں کو دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔

یعنی انہوں نے یہ سوالات اس لیے کیے تھے کہ سامعین کو معلوم ہو جائے کہ دین کسے کہتے ہیں۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان نور اور عقیدہ کا نام ہے اور اسلام طاعت و عبادت ہے اور احسان' مقام مراقبہ و مشاہدہ ہے۔

ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك

اللہ تعالی کی عبادت اس طرح ادا کرنا کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ مقام حاصل نہ ہو تو یقین رکھے کہ وہ تو مجھے دیکھ رہا ہے۔

شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: دین کی بنیاد تین چیزوں پر ہے فقہ' کلام اور تصوف'

اس حدیث شریف میں ان تینوں مقامات کا بیان فرمایا گیا ہے۔ اسلام کا اشارہ فقہ کی طرف ہے جو شرعی احکام و اعمال پر مشتمل ہے' ایمان کا اشارہ ان عقائد کی طرف ہے جو علم کلام کے مسائل ہیں' اور احسان کا اشارہ تصوف کی بنیاد کی طرف ہے اور وہ ہے اللہ تعالی کی طرف سچی توجہ کا ہونا۔ تصوف کے تمام وہ مطالب جو مشائخِ طریقت نے بیان فرمائے ہیں وہ اسی معنی (احسان) کی طرف راجع ہیں۔

علم تصوف اور کلام آپس میں لازم و ملزوم ہیں ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا- اسی طرح تصوف' فقہ کے بغیر نامکمل ہے کیونکہ حکم الٰہی فقہ کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا' اور فقہ' تصوف کے بغیر ناقص ہے کیونکہ عمل اس وقت تک نامکمل رہے گا جب تک صدقِ توجہ حاصل نہیں ہو گا اور یہ دونوں ایمان کے بغیر صحیح نہیں ہو سکتے۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے جسم اور روح کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے بغیر مرتبہ کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لیے امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہے:

من تصوف ولم يتفقه فقد تزندق ومن تفقّه ولم يتصوف فقه تفسّق ومن جمع بينهما فقد تحقّق.

وہ صوفی جو فقہ سے باخبر نہیں وہ زندیق ہے اور جو فقیہ تصوف سے آشنا نہیں وہ فاسق ہے اور جو دونوں کا جامع ہو وہ محقق ہے۔(۵)

اس تفصیل سے جہاں تصوف کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے وہاں یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تصوف کی بنیاد وحی الٰہی ہے اور اس کا منبع کتاب و سنت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان نبوت سے پہلے غار حراء میں کئی کئی دن مصروف عبادت رہنا اور اعلان نبوت کے بعد بے شمار مصروفیات کے

باوجود ایک ایک لمحہ اللہ تعالی کی عبادت اور اس کی یاد میں صرف کرنا' راتوں کو اٹھ کر طویل قراء ت کے ساتھ نوافل پڑھنا' حسن اخلاق کی ممکنہ حدود کی انتہا پر فائز ہونا ایسے معروف و مشہور امور ہیں جن کی تفصیل کتبِ سیرت و حدیث میں موجود ہے- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول رہا ہے کہ کیسا بھی موقع کیوں نہ ہو آپ نے صحابہ کرام کی تربیت ' اطاعتِ الٰہیہ کی تلقین اور آخرت کی یاد دلانے سے بے اعتنائی نہیں فرمائی۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نظر کا یہ عالم تھا کہ صحابہ کرام کا عبادت و ریاضت میں انہماک بہت بڑھ جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس کثرت سے منع فرماتے اور توازن اختیار کرنے کی تلقین فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ کو فرمایا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم کہتے ہو کہ میں زندگی بھر دن کو روزہ رکھوں گا اور رات کو قیام کروں گا؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں میں نے یہی طے کیا ہے۔ فرمایا: تم اسے نبھا نہیں سکو گے اس لیے روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو' رات کو قیام بھی کرو اور نیند بھی لو ۔(٦)

اس جگہ فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو صوفی کا لقب کیوں نہیں دیا گیا؟ جب کہ وہ اخلاق حسنہ اور اوصاف فاضلہ کے اعلی معیار کے حامل تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام آفتاب رسالت سے براہ راست اکتساب فیض کی بدولت عقائد صحیحہ' اعمال حسنہ اور احوال قلوب کے علی وجہ الکمال جامع تھے۔ وہ بیک وقت میدان جنگ اور مسجد و خانقاہ کے تقاضوں کو پورا کرتے تھے۔ وہ ایمان و عمل کے اس مقام رفیع پر فائز تھے جو منشائے ایزدی کا مطلوب تھا۔ ان ہی کے بارے میں اللہ تعالی نے اصالتہً یہ فرمان صادر فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (۷)

تم بہترین امت ہو جسے اقوام عالم کے سامنے (بطور مثال) پیش کیا گیا ہے۔

البتہ جوں جوں آفتاب نبوت و رسالت سے زمانی بُعد بڑھتا گیا افراد امت میں ضعف اور اضمحلال بڑھتا گیا اور ضرورت محسوس کی گئی کہ بعض حضرات خصوصی طور پر علم کلام و عقائد کی طرف متوجہ ہوں جنہیں متکلمین کہا گیا اور بعض فقہ اور تصوف کو اپنا موضوع بنائیں جنہیں فقہاء اور صوفیاء کہا گیا۔ اس طرح امت مسلمہ کی دینی اور علمی ضرورتوں کو پورا کیا گیا اور ایسے رجال تیار ہوئے جو اپنے اپنے فن کے امام تسلیم کیے گئے جن کی تحقیقات اور تعلیمات رہتی دنیا تک مینارۂ نور کا کام دیتی رہیں گی۔

ضرورت مرشد:

آج کے پرفتن ماحول میں جب کہ ہر شخص لذّت اور دولت کی تلاش میں سرگرداں ہے' اللہ تعالی اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و فرامین کا اول تو اکثریت کو علم ہی نہیں ہے اور جنہیں علم ہے وہ ان پر عمل پیرا نہیں۔ دل خوفِ خدا جلّ مجدہ اور خوف آخرت سے عاری ہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بے چینی اور بے اطمینانی کی وباء ہر کس و ناکس کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے اور عزّت و کامرانی کا دور دور پتا نہیں ہے۔ جسے دیکھو مایوسی اور نا امیدی کی تصویر بنا ہوا پوچھ رہا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ

الْقِيٰمَةِ أَعْمٰى (٨)
جس نے میری یاد سے پہلو تہی کی اس کے لیے سامان زندگی کی تنگی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

مادہ پرستی کے اس دور میں ہر شخص سکون قلب کا متلاشی ہے اور یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالی کے ذکر اور اس کی اطاعت و عبادت کے بغیر سکونِ قلب میسر نہیں آ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان تلاش بسیار کے باوجود جب کہیں سے دولتِ سکون حاصل نہیں کر پاتا تو دین اور تصوف کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ارباب صفا اور اصحابِ ارشاد کے آستانوں پر حاضری دیتا ہے۔

مرشد کیسا ہونا چاہیے:

مرشد کا کام ہدایت و راہنمائی ہے۔ وہ آنے والوں کے عقائد' اعمال اور احوال قلب کی اصلاح کرتا ہے۔ طالبانِ ہدایت کو اللہ تعالی کے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کسی کی طرف رجوع کرنے سے پہلے پوری طرح اطمینان کر لیا جائے کہ ہم صحیح شخصیت کے پاس جا رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی جعلی اور غلط رنگ ہی چڑھا دے اور بجائے فائدے کے نقصان ہی اٹھانا پڑے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

مرشد کی بھی دو قسمیں ہیں:

اول عام کہ کلام اللہ و کلام الرسول و کلام ائمہ شریعت و طریقت' و کلام علمائے دین اہل رشد و ہدایت ہے اسی سلسلہ صحیحہ پر کہ عوام کا ہادی کلام

علماء ' علماء کا رہنما کلام ائمہ ' ائمہ کا مرشد کلام رسول' رسول کا پیشوا کلام اللہ جل وعلا وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم' فلاح ظاہر ہو خواہ فلاح باطن اسے اس مرشد سے چارہ نہیں' جو اس سے جدا ہے بلاشبہ کافر ہے یا گمراہ' اور اس کی عبادت برباد و تباہ۔

دوم - خاص کہ بندہ کسی عالم سنی صحیح العقیدہ ' صحیح الاعمال' جامعِ شرائطِ بیعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے۔

یہ مرشد خاص جسے پیرو شیخ کہتے ہیں پھر دو قسم ہے:-

اول شیخ اتصال یعنی جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو جائے اس کے لیے چار شرطیں ہیں:-

۱- شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہو بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعہ سے اتصال ناممکن۔

۲- شیخ سنّی العقیدہ ہو۔ بدمذہب گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا نہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک۔

۳- عالم ہو' اقوال علم فقہ اسی کی اپنی ضروریات کے قابل کافی اور لازم کہ عقائد اہل سنت سے پورا واقف' کفر و اسلام وضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو۔

۴- فاسق معلن نہ ہو۔

دوم شیخ ایصال کہ شرائط مذکورہ کے ساتھ مفاسد نفس و مکائد شیطان ومصائد ہوا سے آگاہ ہو۔ دوسرے کی تربیت جانتا اور اپنے متوسل پر شفقت تامہ رکھتا ہو کہ اس کے عیوب پر اسے مطلع کرے' ان کا علاج بتائے جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں حل فرمائے۔ (ملخصا) (۹)

دینی مدارس اور خانقاہوں میں تصوف کی ضرورت:

ایک وقت تھا کہ خانقاہی نظام' اصلاح امت کا فریضہ بڑی عمدگی سے ادا کر رہا تھا۔ مشائخ کرام ' قرآن و حدیث اور بزرگانِ دین کی تصانیف مبارکہ پڑھ کر حاضرین کو سناتے تھے یا ان کے مضامین زبانی بیان فرمایا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر آنے والا' اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق تقویٰ و طہارت اور دین اخلاق کا کچھ نہ کچھ حصہ حاصل کر لیتا تھا۔ دینی مدارس میں فارسی کا نصاب پڑھایا جاتا۔ تصوف کی کتابیں سبقاً پڑھی جاتیں یا زیر مطالعہ رہتیں جس سے علمائے کرام کے کردار میں استقامت اور راستی پیدا ہوتی۔ وہ اخلاق' دلکشی اور چاشنی کا مرقع ہوتے اور ان کے اقوال و افعال ' خلوص اور للّٰہیت کے آئینہ دار ہوتے' مگر آج ذرا توجہ سے دیکھیے تو عالم ہی بدلا ہوا نظر آئے گا۔

مانا کہ سائنس اور دیگر دنیاوی علوم و فنون کی ترقی کا رخ مستقبل کی طرف ہے مگر دینی اور روحانی ترقی کا راز ماضی کی جانب متوجہ ہونے میں ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل کے جس قدر قریب ہو گا اسی قدر ترقی کرے گا۔

موجودہ دور کی اہم ضرورت یہ ہے کہ دینی مدارس اور خانقاہوں میں زیادہ سے زیادہ قرآن و حدیث' فقہ اور کتب تصوف مثلاً کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری' احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت' امام غزالی قوت القلوب' حضرت ابو طالب مکی' مثنوی مولانا جلال الدین رومی اور مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ایسی کتابوں کے مطالعہ پر زور دیا جائے۔ ان کے خصوصی لیکچروں کا اہتمام کیا جائے۔ ذکر و فکر کی محفلیں منعقد کی جائیں تاکہ امت مسلمہ تقویٰ و پرہیزگاری' خلوص اور للّٰہیت' اتباع شریعت' حسنِ عقائد' حسن اخلاق اور حسن معاملات سے آراستہ ہو کر فوز و فلاح کی راہ پر گامزن ہو جائے۔

شیخ اکبر:

اکابر علماء و حکماء اسلام کے نزدیک حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ اولیاء عارفین اور علماء عاملین میں سے تھے اور اہل علم اس حقیقت پر متفق ہیں کہ وہ اپنے زمانے کے عظیم ترین عالم تھے۔ وہ ہر فن کے مقتدا تھے مقتدی نہ تھے۔ کشف و تحقیق کے بحر ناپیدا کنار' تقویٰ و ورع کے بلند ترین مقام پر فائز' سنت مبارکہ پر مضبوطی سے قائم اور ریاضت و مجاہدہ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ (۱۰)

اس کے باوجود منصف مزاج علماء نے بھی ان کی ''فتوحات مکیہ'' اور '' فصوص الحکم'' ایسی فلسفۂ تصوف اور دقیق ترین معارف و حقائق پر مشتمل کتب کے مطالعہ سے عوام تو عوام' ان خواص کو بھی منع کیا ہے جو کتاب و سنت اور حقائق معارف اور اصطلاحاتِ تصوف سے گہری واقفیت نہیں رکھتے۔

اس ممانعت کی چند وجوہ ہیں:

۱- حضرت ابن عربی کی خاص اصطلاحات سے واقفیت نہ رکھنے والا' بعض مقامات پر یہ سمجھ بیٹھے گا کہ ان کی عبارات کے ظاہری معانی مراد ہیں حالانکہ ان کی مراد کچھ اور ہے۔(۱۱)

۲- ان کی عظمت و مقبولیت سے فائدہ اٹھانے کے لیے غیر مسلموں نے ان کی کتابوں میں آمیزش سے کام لیا اور دین اسلام کے مخالف بہت سی باتیں اپنے پاس سے ان کی تحریرات مین شامل کر دی ہیں۔

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

وہ تمام باتیں جو ظاہر شریعت اور جمہور امت مسلمہ کے مخالف ہیں وہ الحاقی ہیں جیسا کہ مجھے شیخ ابو الطاہر المغربی' نزیل مکہ مکرمہ نے بتایا۔ انہوں

نے مجھے فتوحات کا وہ نسخہ دکھایا جس کا مقابلہ انہوں نے قونیہ میں شیخ کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے نسخہ سے کیا تھا۔ مجھے اس نسخہ میں کوئی ایسی عبارت دکھائی نہ دی جس میں مجھے تردد تھا اور جسے میں نے فتوحات کا اختصار کرتے ہوئے حذف کر دیا تھا۔(۱۲)

علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں:

فصوص الحکم میں بعض ایسے کلمات ہیں جو شریعت کے مخالف ہیں۔ بعض حضرات نے ازراہ تکلف ان کو موافق شریعت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن ہمیں یقین ہے کہ یہ کلمات حضرت شیخ قدس سرّہ پر بعض یہودیوں کے افتراء کا نتیجہ ہیں لہٰذا ان کلمات کے مطالعہ سے پرہیز واجب ہے۔ (۱۳)

جب کہ تربیت اور سلوک سے متعلق شیخ کی تصانیف فائدہ بخش ہیں اور ان کے مطالعہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

شیخ کی بعض کتابیں خالص تربیت اور اصلاح اخلاق و احوال وغیرہ سے متعلق ہیں ان کے مطالعہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ امام غزالی اور ابوطالب مکی وغیرہما کی کتابوں کی طرح ہیں اور دنیا و آخرت میں نفع دینے والی کتابیں ہیں۔(۱۴)

پیشِ نظر کتاب، حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی ایسی ہی ایک تصنیف: ”الامر المحکم المربوط فی ما یلزم اهل طریق الله من الشروط“ کا اردو ترجمہ ہے اس مختصر اور لطیف تصنیف میں حضرت شیخ نے مرشد اور مرید کے آداب بیان فرمائے ہیں۔ امید ہے کہ یہ رسالہ اہل ذوق کی روحانی تسکین کا سامان بنے گا۔

ترجمہ اور مترجم:

معظم آباد (مرولہ شریف، ضلع سرگودھا) سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ کی قدیم خانقاہ ہے۔ جناب صاجبزادہ معین نظامی اسی خانقاہ کے دودمان کے چشم و چراغ ہیں۔ موجودہ دور کے مشائخ کی اولاد میں ان کا امتیازی وصف یہ ہے کہ نو عمری کے باوجود سلجھا ہوا علمی اور روحانی ذوق رکھتے ہیں۔ نظم و نثر میں ان کے ذوق لطیف کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ مستقبل کے عظیم محقق اور قلم کار ہوں گے۔ حضرت ابنِ عربی کے رسالہ مبارکہ کا جس عمدگی سے انہوں نے ترجمہ کیا ہے، اس پر بے ساختہ دل سے تحسین و مرحبا کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور امید پیدا ہوتی ہے کہ ان کی بدولت اللہ تعالی نے چاہا تو خانقاہ معظم آباد کو چار چاند لگیں گے اور مشائخ چشت اہل بہشت کا مشن جاری و ساری اور رو بہ ترقی رہے گا۔

الٰہی تابود خورشید و ماہی
چراغِ چشتیاں را روشنائی

۳۱۔ دسمبر ۱۹۸۵ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

جامعہ نظامیہ رضویہ

لاہور - پاکستان

حواشی

۱- القرآن ' التوبۃ ۹ الآیۃ ۳۳

۲- ترمذی' فضائل الجہاد ۲' مسند احمد جلد ۶' ۲۰-۲۲' مصر ۱۳۱۳ھ

۳- عبدالرحمٰن السیوطی' جلال الدین' الدرر المنتثرۃ (مطبوعہ مصطفیٰ البابی' مصر) ص ۱۹۸

۴- محمد بن اسماعیل البخاری' الامام: الجامع الصحیح (مجتبائی' دہلی) ج ۱' ص ۱۲

۵- عبدالحق محدث دہلوی' شیخ محقق: اشعۃ اللمعات فارسی (مطبوعہ سکھر) ج ۱' ص ۲-۴۱

۶- محمد بن اسمٰعیل البخاری' امام: بخاری شریف (مجتبائی' دہلی) ج ۱' ص ۸۵ ۴

۷- القرآن' آل عمران ۳: آیۃ ۱۱۰

۸- القرآن' طہٰ ۲۰: آیۃ ۱۲۴

۹- احمد رضا بریلوی' امام: فتاویٰ افریقہ (مدینہ پبلشنگ کمپنی ' کراچی) ص ۱۴۶-۸

۱۰- احمد بن حجر مکی' علامہ: فتاویٰ حدیثیہ (مصطفیٰ البابی' مصر) ص ۲۵۲

۱۱- احمد بن حجر مکی' علامہ: فتاویٰ حدیثیہ ' ص ۲۵۳

۱۲- عبدالوہاب شعرانی' علامہ: الیواقیت والجواہر (مصطفیٰ البابی ' مصر) ج ۱' ص ۷

۱۳- علاء الدین حصکفی' علامہ: درمختار (مجتبائی ' دہلی) ج ۱' ص ۳۵۸

۱۴- احمد بن حجر مکی' علامہ: فتاویٰ حدیثیہ ' ص ۲۵۳

بہ نامِ خدا

شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی حاتمی اندلسی معروف بہ ابن عربی کا اسمِ گرامی سنتے ہی ذہن میں ایک محقق عارف اور مدقق فیلسوف کا تصور خود بخود آ جاتا ہے جنہوں نے اسلامی ادب کو عرفانی نقطہ ٔ نظر سے الہیات اور وجودیت کے ایسے دقیق اور پیچیدہ تصورات پیش کیے جو ہر کس و ناکس کے فہم و ادراک سے بالاتر ہیں۔ علماء اسلام کو ان میں شریعت سے تعارض نظر آیا۔ مصر' خراسان اور ہندوستان میں مختلف ادوار میں ان کی بعض کتابوں کو جلانے کا حکم دیا جاتا رہا ہے اور ان کی تکفیر بھی ہوتی رہی ہے۔ لیکن صوفیاء کا ابن عربی سے رویہ بالکل مختلف رہا ہے۔ جب ایک دفعہ نویں صدی ہجری میں مصر کے اکابر علماء نے یہ اتفاق کر لیا کہ فصوص الحکم کو جلا دیا جائے تو اسی زمانے میں اتفاق سے ماوراء النہر سے مولانا شہاب الدین سیرامی مصر پہنچے۔ مصر کے اکابر اور علماء ان کی مصر آمد سے باخبر ہوئے اور کہا کہ ہم نے اتفاق رائے سے فصوص کو جلانے کا فیصلہ کیا ہے آپ کیا فرماتے ہیں؟ مولانا شہاب الدین نے فرمایا: ہم نے یہ کتاب نہیں دیکھی' ہم کیا کہہ سکتے ہیں' کتاب دیکھنے کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا ہے۔ فصوص الحکم انہیں پیش کی گئی۔ مطالعہ کے بعد فرمایا: جو کچھ میں نے سمجھا ہے وہ جلانے کے قابل نہیں اور جو کچھ میں نہیں سمجھ سکا اس کے بارے میں میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ یہ برا اور جلانے کے قابل ہے۔(۱) مولانا شہاب الدین سیرامی کا یہ جواب' جو مکمل منطق پر مبنی ہے' صوفیانہ رواداری کا بھی مظہر ہے۔

ابن عربی کی تمام تر ادق اور مشکل کتابوں کے درمیان جب ہم ان

کے رسالے ''الامر المحکم المربوط....'' پر نظر ڈالتے ہیں تو اس میں ابن عربی کا اسلوب معنوی اور ظاہری اعتبار سے ان کے دیگر آثار سے بالکل مختلف دکھائی دیتا ہے۔ یہ امتیاز اس کی سادگی اور سلاست ہے۔ اس میں اختصار کے ساتھ دینی اخوت کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس اخوت کا تقاضا ہے کہ مسلمان بھائیوں کو خدا کے راستے کی طرف دعوت اور نصیحت کی جائے۔ اس دعوت الی اللہ کا فریضہ مقام نبوت کے وارث ''شیخ'' یا ''استاد'' کو سونپا گیا ہے۔ انبیاء کی نیابت میں کسی شیخ کے لیے یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ ابن عربی نے اس ذمہ داری کی سنگینی کو سمجھتے ہوئے اس موجز و مختصر رسالے میں شیخ کے مرتبے اور اس کے لوازم و آداب اور مرید کے مقام اور اس کے لوازم و آداب کا بیان اس قدر سہل اور عام فہم انداز میں کر دیا ہے کہ لگتا ہی نہیں یہ وہی فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم والے ابن عربی کا سواد تحریر ہے۔ قارئین خود پڑھیں گے کہ اس میں شیخ کے لیے جو شرائط متعین کی گئی ہیں ، ان میں کہیں بھی شریعت سے تجاوز اور رخصت کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس رسالے سے اسلامی خانقاہی آداب اور نظام کا ایک ہلکا سا خاکہ بھی ابھر کر سامنے آتا ہے جو اس رسالے کی ایک اضافی افادیت ہے۔

برصغیر میں شیخ اکبر کے افکار و آثار سے اعتنا و احترام تمام سلاسل تصوف کے مشائخ کے ہاں بلا استثناء پایا جاتا ہے۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ بھی اس میں شامل ہے۔ چشتی مشائخ اور چشتی خانقاہوں میں ابن عربی کے افکار پر بحث معمولاتِ تصوف کا حصہ رہی ہے۔ ہم یہاں صرف شیخ محبّ اللہ الہ آبادی چشتی کا نام نامی لیں گے جنہوں نے اسلامی ہندوستان میں ابن عربی کے افکار کی تفہیم میں اس قدر علمی جہد بلیغ فرمائی کہ انہیں ابن عربی ثانی یا ہندوستان کا ابن عربی کہا جاتا ہے۔ (۲)

ہمارے عہد میں سلسلۂ چشتیہ کی جمالی روایات کو علمی جلال سے دو آتشہ کیے ہوئے صاحبزادہ غلام معین الدین نے، جو ملک کے علمی و ادبی حلقوں میں معین نظامی کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں، اپنے اسلاف کی اس علمی روایت کو آگے بڑھایا ہے اور شیخ اکبر کے اس اہم رسالے کو متین اور جلیل اسلوب میں عربی سے اردو میں منتقل کر کے اور اس پر ضروری حواشی و لکھ کر اس کی افادیت دو چنداں کر دی ہے۔ محترم معین نظامی کا یہ ترجمہ بھی ان کے دیگر ادبی تراجم کی طرح پسند کیا جائے گا، ہر چند اس کے قارئین کا حلقہ مختلف ہے۔

آخر میں دو ایک علمی اطلاعات دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہمارے فاضل نے اس رسالے کی کسی ہندوستانی سنگی چھاپ سے ترجمے کا کام انجام دیا ہے، جس میں رسالے کا نام " الامرالمحکم المربوط فیما یلزم اهل طریق الله تعالی من الشروط" آیا ہے، حاجی خلیفہ نے بھی کشف الظنون میں اس کا نام "الامر المحکم...الخ" درج کیا ہے۔ (۳) ایرانی محقق محسن جہانگیری نے رسالے کا نام " الامر المحکم المربوط فی معرفة ما یحتاج اهل طریق الله تعالی من الشروط" لکھا ہے اور یہ اطلاع بھی دی ہے کہ یہ رسالہ ۱۳۰۲ھ میں التحفه البهیه والطرفة الشهیه کے ساتھ اور ۱۳۱۳ھ میں بیروت سے ابن عربی کی کتاب ذخائر الاعلاق کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔(۴) استنبول سے ۱۳۱۵ھ میں بھی اس رسالے کا ایک ایڈیشن نکل چکا ہے۔ احمد بن عبدالقاسم دوغنی (متوفی ۱۰۵۲ھ) نے اس رسالے پر ایک عربی شرح بھی لکھی ہے۔ (۵)

۲۲ جولائی ۱۹۹۸ء

اسلام آباد

عارف نوشاہی

حواشی

۱- عبدالاوّل نیشاپوری، ملفوظات خواجہ عبیداللہ احرار، مخطوطہ گنج بخش، اسلام آباد، نمبر ۵۸۶۶، صفحہ ۱۳۵

۲- سلسلہ چشتیہ میں ابن عربی کے افکار سے اعتناء کے لیے ملاحظہ ہو: خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، دہلی، ۱۹۸۰ء، جلد اول، صفحات ۴۳۲-۴۳۸

۳- حاجی خلیفہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، بیروت، بلا تاریخ، جلد اول، ص ۱۶۸

۴- محسن جہانگیری، محیی الدین ابن عربی چہرۂ برجستہ عرفان اسلامی تہران، ۱۹۸۸ء ص ۹۵

۵- دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، تہران، ۱۹۹۱ء، جلد چہارم، ص ۲۳۳

الامرالمحكم المربوط فيما يَلزم
أهلَ طريق اللّٰه تعالى من الشّروط

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ

در طریقت هرچه پیشِ سالك آید خیرِ اوست

در صراطِ مستقیم ای دل کسی گمراه نیست

(حافظ)

بسم الله الرحمن الرحيم

١

الحمد لله الّذی هدانا لهذا وما كنّا لنهتدی لو لا ان هدانا الله لما قال الله تعالی لنبيّه - عليه السّلام - " وانذر عشيرتك الاقربين"- دعا محمد - صلی الله عليه وآله وسلم - قرابته و وقف علی الصّفاء و اخذ ينذرهم ويقول ما امر به أن يّقول علی ما ذكره مسلم فی صحيحه عن النّبی - عليه الصّلوة والسّلام - انّه قال: " الدّين النّصيحة"- قالوا: لمن يا رسولَ الله؟ قال:" لله ولكتابه ولرسوله ولائمّة المسلمين وعامّتهم" فالاقربون أولی بالمعروف فی حكم الشّرع. والأقربون علی نوعين: قرابة طينيّة و قرابة دينيّة والمعتبر فی الشّرع القرابة الدّينية. فانّ النّبی - عليه السلام - يقول: "لا يتوارث اهل ملّتين فلولا الدّين ما ورث قرابة الطّين شيئاً".

ولقد اشار شيخنا ابو العبّاس اشارة بديعة فی هذا و ذلك انّی دخلت عليه يوما فقلت له "الاقربون اولی بالمعروف" فقال الی الله وقال الله سبحانه "إنّما المؤمنون إخوة" فاذا ثبت الايمان كانت الاخوة. واذا كانت الاخوة، كانت الشفقة والرّحمة. ولا معنی للشّفقة والرّحمة الّا ان تنقذ أخاك من النّار

الى الجنّة ومن الجهل الى العلم ومن الذّمّ الى الحمد ومن النّقص الى الكمال. فانّه "لا يكمّل عبدالايمان حتّى يحبّ لأخيه ما يحبّ لنفسه" على ما ذكره مسلم فى صحيحه:"المؤمنون يد واحدة على من سواهم". "والمؤمن للمؤمن كالبنيان. يشد بعضه بعضاً".

فاعلم انّ المؤمنين بهذا الحكم يجب نصحهم وانباهم من الغفلة وايقاظهم من نومة الجهالة وانقاذهم من شفاء الحفرة النّارية الّتى هم عليها غير انّ المؤمنين انقسموا على مراتب كثيرة من جملتها مرتبة تسمّى "التّصوّف" اخذتها طائفة تسمّى الصّوفية آثروا الآخرة على الدّنيا واختاروا الحقّ على الخلق. وما من طائفة فى مرتبة الّا وهى فى تلك المرتبة على حالين:

صادقة ذات حقيقة ومدّعية لا حقيقة عندها. فقرابة كلّ طائفة من كانت معها على طريقة واحدة امّا بالصّورة وهم المدّعون الّذين لا حقيقة عندهم و امّا بالصّورة والمعنى وهم المحقّقون فتعين علينا لكونهم من الاقربين ان تنذرهم و لكونهم من المسلمين ان ننصحهم ولكونهم فى مقام الاخوة ان نشفق عليهم.

واعلم انّ هذا الطّريق اعنى طريق الله الّذى هو الصّراط المستقيم هو اجلّ الطّرق واسناها لانّ الطّرق تتشرّف و تتضع بحسب غايتها ولمّا كان هذا الطّريق غايته الحقّ سبحانه والحقّ اشرف الموجودات واعزّ المعلومات. لا إله إلّا هو. كان الطّريق اليه اشرف الطّرق وافضلها والدّال عليه سيّد الادلّاء واكملهم واعظمهم والسّالك عليه اسعد السّالكين وانجاهم. فينبغى للعاقل أن لا يسلك من الطّرق سواه لإرتباطه بسعادة الأبديّة.

واعلم انّ اهل طريق الله شخصان: صادق وصديق اعنى تابعاً ومتبوعاً. فالتّابع هو المريد والسّالك والتّلميذ. والمتبوع هو الشّيخ والاستاد والمعلّم. وسواء كان هذا الرّجل متبوعاً او لَم يكن وانّما المعنى تأهله للشّيخوخة والارشاد لتمكّنه فى ذلك المقام واستقلاله واستيداده.

وغرضى فى هذه العجالة أن أبين مقام الشّيخوخة ولوازمها ومقام المريد ولوازمه، وما ينبغى ان يتعامل به اهل طريق الله ويعاملوا به طريق الله تعالى ولهذا سمّيتها: "الامر المحكم المربوط فى ما يلزم اهل طريق الله تعالى من الشّروط". فانّ الزّمان مشحون بالدّعاوى الكاذبة العريضة. فلا مريد صادق ثابت القدم فى سلوكه ولا شيخ محقّق ينصحه فيخرجه

من رعونة نفسه وإعجابه برأيه ويعرب له عن طريق الحقّ. فالمريد يدّعى الشّيخوخة والرّئاسة. وهذا كلّه تخبيط وّتلبيس.

واعلم انّ مقام الدّعوة الى ا لله وهو مقام النّبوة والوارثة الكاملة والحاصل فيه يقال له النّبى فى زمان النّبوة ويقال له الشّيخ والوارث والاستاذ فى حقّ العلماء با لله من غير ان يكونوا انبياء وهو الّذى قالت فيه الساده من اهل طريق ا لله: " مَن لّم يكن لّه استاذ، فإنّ الشّيطان استاذه" وانّ جبرائيل – عليه السّلام – هو استاذ النّبى – عليه السّلام.

ولقد خرج الهروى – رحمه ا لله – فى كتاب "درجات التّائبين" له وهو روايتى عن الشّريف جمال الدّين يونس بن يحيى بن ابى الحسن من ذرّيّة العبّاس بن عبدالمطّلب حدّثنى به قراءة منى عليه بالحرم الشّريف تجاه الرّكن اليمانى من الكعبة المعظّمة سنة تسع وتسعين وخمسمائة. قال حدّثنا ابو الوقت عبدالاوّل ابن عيسى السّجزى قال حدّثنا عبدالاعلى بن عبدالواحد المليحى عنه انّ ا لله تعالى انزل ملكاً على رسول ا لله – عليه السّلام – وعنده جبرائيل – عليه السّلام – فقال له " يا محمّد! انّ ا لله خيّرك ان شئت نبيّاً عبداً وان شئت ملكاً نبيّاً". فأومأ اليه جبرائيل – عليه السّلام – ان تواضع فقال – عليه السّلام –: "نبيّاً عبداً".

وغرضنا من هذا الحديث تعليم جبرائيل النّبىّ – عليه السّلام – وانّه أختار ما اختاره له. فقام جبرائيل هنا مقام الشّيخ المعلّم ومقام محمد– عليه السّلام – مقام المتعلّم.

ومن هذا الباب قول الله تعالى: "ولا تعجل بالقرآن من قبل أن يّقضى اليك وحيه" و قوله تعالى: "لا تحرك به لسانك لتعجل به إنّ علينا جمعه وقرآنه فاذا قرأناه فاتّبع قرآنه". وقوله –عليه السّلام– "إنّ الله أدّبنى فاحسن ادبى". فلا بدّ من مؤدّبه وهو الاستاذ. فان هذا الطّريق لما كان فى غاية الشّرف والعزّة حفّت به الآفات والقواطع والامور المهلكة من كلّ جانب فلا يسلكه إلّا شجاع مقدام ويكون معه دليل علّام وحينئذ تقع الفائدة. فعلى الشّيخ أن يّوفى حقّ مرتبته وعلى المريد أن يوفى حقّ طريقه.

اعلم انّ مقام الشيخوخة ليس هو الغاية فانّ الشّيخ ايضاً طالب من ربّه ما ليس عنده. فانّ الله يقول لنبيّه – عليه السّلام –: "وقل ربّ زدنى علماً". فصفة الاستاذ ان يكون عارفاً بالخواطر النّفسيّة والشّيطانيّة والملكيّة والرّبانيّة. عارفا بالاصل الّذى تنبعث منه هذه الخواطر. عارفاً بحركاتها الظّاهرة. عارفاً بما فيها من العلل والامراض الصارفة عن صحة الوصول الى عين الحقيقة عارفا بالأدوية واعيانها. عارفاً

بالازمنة الّتى تحمل المريد فيها على استعمالها. عارفاً بالامزجة. عارفاً بالعوائق والعلائق الخارجة مثل الوالدين والاولاد والاهل والسّلطان. عارفا بسياساتهم ويجذب المريد صاحب العلّة من أيديهم. هذا كلّه إذا كان المريد له رغبة فى طريق ا لله. وإن لّم يكن له رغبة فلا ينفع.

ومن شرط الشّيخ ان لا يترك المريد يبرح من منزله البتة إلّا بإذنه لحاجة يوجّهه فيها.

ومن شرطه ان يعاقب المريد على كلّ هفوة تصدر منه ولا سبيل الى الصّفح عنه فى زلّة. فان فعل فلم يوف حقّ المقام الّذى هو فيه. فهو امام غاش لرعيّته غير قائم لحرمة ربّه. فانّ النّبى – عليه السّلام– يقول: "من ابدى لنا صفحة اقمنا عليه الحدّ".

ومن ذالك ان يشترط على المريد ان لا يكتمه شيئاً ممّا يخطر له فى نفسه وما يطرأ عليه فى حاله ومتى ما لم يكن الطّبيب يميز اعيان الاعشاب والعقاقير. عارفا بتركيب الادوية فانّه مهلك للمريض فانّ العلم من غير العين لا يفيد فلا به من عين اليقين وحينئذ الاترى لو كان للعشاب غرض فى اهلاك المريض فاذا وصف الطّبيب الدّواء من جهة كونه عالماً به وهو لا يعرف شخص الدّواء فاعطاه العشاب ما فيه هلاك العليل

ويقول هذا مطلوبك فيسقيه الطّبيبُ المريضَ فيهلك واثمه فى عنق الطّبيب والعشاب. فانّ الطبيب كان الواجب عليه أن لّا يدوايه الّا بما يعرف عينه وشخصه.

فكذالك الشّيخ اذا لم يكن صاحب ذوق و اخذ الطّريق من الكتب وأفواه الرّجال وقعد يربى به المريد طلباً للمرتبة ولرّئاسة فانّه مهلك لمن تبعه لأنه لا يعرف مورد الطّالب ولا مصدره فلا بدّ ان يكون عند الشّيخ دين الانبياء وتدبير الاطبّاء وسياسة الملوك وحينئذ يقال له استاذ ويجب على الشّيخ ان لا يقبل مريدا حتى يختبره.

ومن شرطه ان يحاسب المريد على أنفاسه وحركاته ويضيق على قدر صدقه فى اتباعه فانّه طريق الشّدة ليس للرّخاء فيه مدخل. لأنّ الرّخص انّما هى للعامّة لأنهم قنعوا بكونهم ينطلق عليهم اسم الايمان خاصة مؤدّين لما فرض الله عليهم دون زيادة ومن طلب الانفس والزيادة على مرتبة العوام فلا بدّ ان يذوق الشّدائد فى نيل ذالك. فانّه من أراد ان يرى الدّر فى نحره فلا بدّ أن يقاسى ظلمة بحره يمنع روح الحياة عن سريانه فانّ الغاطس فى البحر لا بدّ يمسك نفسه فتحقّق ما ذكرناه.

وكان امامنا ابو مدين يقول ما للمريد والرّخص. قال الله تعالى: "والّذين جاهدوا فينا لنهدينّهم سبلنا" فاين انت بعد الجهاد تتضح السّبيل وعند ذالك يكون السّلوك عليها وهو سفر والسّفر قطعة من العذاب فانّه منتقل من العذاب الى عذاب فلا راحة.

ومن شرطه ان لا يقعد فى مقام الشّيخوخة الّا أن يقعده استاذه او يقعده ربّه بما يلقى اليه فى سرّه على الامر المعهود له مع ربّه فى الأخذ عنه.

ومن شرطه اذا تكلّم فى مسألة و قام اليه منازع فيها ان يقطع الكلام فإنّه لا كلام لهم – رضى الله عنهم – بحضرة نفس المنازع. لأنّ علومهم لا تقبل المنازعة لانّها وراثة نبوية. وكان– عليه الصّلوة والسّلام– اذا تنوزع عنده يقول: "عند نبى لا ينبغى تنازع" وذالك لأن المعارف الالهية والاشارات اللّطيفة الرّبانيّة خارجة عن مدارك العقول من كون العقول ناظرة لامن كونها قابلة فلم يبق فيها الّا الكشف ومن اخبر عماعاين وشاهد لا يجوز للسّامع النّزاع فى ما اتى به بل يجب عليه فى حكم الطّريق التّصديق به ان كان مريداً او التّسليم ان كان اجنبيّاً. فان المريدان لم يعقد الصّدق فى ما يقوله للشيخ فمتى يفلح ومتى رأيت الشيخ ترك المريد يستدل عليه

فى المسائل بالادلّة الشّرعيّة او العقليّة ولا يزجره ويهجره عليها فقد خانه فى التّربية فانّ المريد لا ينبغى له الكلام إلّا فيما شاهده وعاينه والصّمت عليه واجب والفكر عليه حرام والنّظر عليه فى الادلّة محظور فكل شيخ ترك مريده على مثل هذه الحال فانّه غير مرشد له ساع فى هلاكه مضاعف لحجابه مستعمل فى طرده عن باب ربّه. والاولى بالشّيخ إذا رأى المريد يجنح الى استعمال عقله فى النّظريات ولا يرجع الى رأيه فى ما يدلّه عليه فليطرده عن منزله فإنّه يفسد بقيّة أصحابه ولا يفلح هو فى نفسه فإنّ المريدون عرائس الله حورٌ مقصوراتٌ فى الخيام قاصروا الطّرف عن كلّ مشهد سوى مشهد ما يقودهم اليه الشّيخ. ويجب على الشّيخ اذا علم حرمته سقطت من قلب المريد ان يطرده عن منزله بسياسة فانّه اكبر الأعداء كما قيل:

احذر عدوّك مرّة واحذر صديقك الف مرّة
فلربّما انقلب الصّديق فكان اعرف بالمضرّة

ويجب له الاشتغال بظواهر الشّريعة وطريق العبادة فى العموم ويغلق الباب بينه وبين بقيّة من عنده من اولاده فانّه لا شيئ اضرّ على المريد من صحبة الضّد.

وللشيخ ثلاثة مجالس: مجلس للعامّة ومجلس لأصحابه ومجلس خاصّ لكلّ مريد على انفراده.

فامّا مجلس العامّة فيجب عليه ان لا يترك احداً من المريدين أن يحضر ذالك المجلس ومتى تركهم فقد اساء فى حقّهم. وشرطه فى المجلس العامّة ان لا يخرج عن نتائج المعاملات من الاحوال والكرامات وما كان عليه رجال الله من المحافظة على آداب الشّريعة واحترامهم ايّاها.

وشرطه فى مجلس الخاصّة ان لا يخرج عن نتائج الأذكار و الخلوات والرّياضات وايضاح السّبل المضافة الى الآية من قوله "لنهدينّهم سبلنا".

وشرطه فى مجلس الانفراد مع الواحد من اصحابه زجره وتقريعه وتوبيخه وانّ الّذى يأتى به المريد اليه انّه حال ناقص وضيع وبنهه على رداءة همته ونقصها ولا يفتنه بحاله. ويجب على الشّيخ ان يكون له وقت مع ربّه ولا بدّ ولا يتكل على ما حصل له من قوّة الحضور. فقد كان عليه السّلام يقول: "لى وقت لا يسعنى فيه غير ربّى".

وذالك انّ النّفس انّما حصل لها القوّة باستمرار عادة الحضور وترك ما سوى الله فى الظّاهر والباطن فكذالك ايضاً ترجع بحكم عادة النّقيض ولا سيما والطّبع الّذى جبل عليه

يساعدها فمتى لم يتفقد الشّيخ حاله فى كلّ يوم بالامر الّذى حصّله له به هذا التمكين كان مخدوعا بحيث ان تسترقه العادة ويجره الطّبع ويريد الخلوة ساعة فتفقد الانس ويجد الوحشة وكذالك فى توكله وادّخاره فى كلّ حال اكتسبته النّفس مما لم تفطر عليه انه سريع الذّهاب. وقد رأينا شيوخاً سقطوا. نسأل الله لنا ولهم العافية. قال الله تعالى: "إنّ الإنسان خلق هلوعا. إذا مسّه الشّر جزوعا واذا مسّه الخير منوعا". فقد جمع فى هذه الآية كلّ رزيلة فى النّفس وابان فيها. انّ الفضائل مكتبسة لها ليست فى جبلّتها فالتحفّظ واجب.

ومن شرطه إذا وصف له المريد رؤيا رآها او مكاشفة كاشفها او مشاهدة شاهد فيها امرا ما ان لا يتكلّم له عليها البتة ولكن يعيطه من الاعمال ما يدفع به ما فيها من مضرّة وحجاب او يرقيه الى ما هوا على ومتى ما تكلّم الشيخ على ما يأتى به المريد فقد أساء فى حقّه فانّ النّفس تسقط من حرمة الشّيخ عندها على قدر ما يباسطها به وعلى قدر ما يسقط من الحرمة من قلبه تقع الإباءة من المريد فى ما يدّل عليه ذالك الشّيخ. واذا وقف الإباءة فى الأخذ عدم الاستعمال واذا عدم المريد الاستعمال وقع الحجاب والطّرد

فخرج عن حكم الطّريق واخلد فمثله كمثل الكلب. نسأل الله لنا وللمسلمين العافية.

ومن شرط الشّيخ ان لا يترك مريده يجالس احداً سوى اخوته الّذين معه تحت حكمه ولا يزور ولا يزار ولا يكلّم احداً فى خير ولا فى شر ولا يتحدّث بما طرأ عليه من كرامة و وارد مع اخوته ومتى تركه الشّيخ يفعل شيئاً من هذه الافعال فقد اساء فى حقّه.

ومن شرطه أن لّا يجالس تلاميذه الّا مرّة واحدة فى اليوم واللّيلة. ويكون له زاوية تخصّه لا يدخلها احد من اولاده الّا من يختص عنده. والاولى ان لا يفعل حتى لا يشاهد فيها نفس مخلوق لكون ذالك مؤثرا فى الحال على قدر قوة روحانية ذالك المتنفّس فربّما يتغير الحال على الشّيخ فى خلوته مع ربّه من اجل ذالك النّفس. وهذا لا يعرفه كلّ شيخ. ويكون له زاوية لإجتماعه بأصحابه.

ومن شرطه ان يّجعل لكلّ مريد زاوية تخصّه ينفرد بها وحده لا يدخل معه فيها غيره.

وينبغى للشّيخ اذا اقعد المريد فى زاوية ان يدخلها قبله ويركع فيها ركعتين وينظر فى قوّة روحانيّة ذالك المريد ومزاجه وما يعطيه حاله فيجتمع الشّيخ فى تينك الرّكعتين

جمعية تليق بحال ذالك المريد ثـم يقعـده فيهـا. فـإنّ الشّـيخ اذا فعل ذالك قرب الفتح على ذالك المريد وعجّل له خيره ببركته ولا يترك الشّيخ المريدين يجتمعـون اصـلاً دونـه الّـا إذا جمعهـم بحضرته ومتى تركهم يجتمعون دونه فقد أساء فى حقّهم.

از پای تا سَرَت همه نورِ خدا شود
در راهِ ذوالجلال چوبی پا وسر شوی
(حافظ)

مُعینُ الطّریقت

اردو ترجمہ

در راهِ عشق وسوسهٔ اهرمن بسی ست
پیش آی وگوشِ دل به پیام سروش کُن
(حافظ)

بسم اللہ الرحمان الرحیم

الحمد للّٰہ الّذی ھدانا وما کنّا لنھتدی لو لا أن ھدانا اللّٰہ

(الاعراف/۴۳)

جب اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا:

"وانذر عشیرتك الأقربین" (الشعراء/۲۱۴) یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذابِ الٰہی سے خبردار کر دیجیے تو آپؐ نے اپنے اعزّہ و اقارب کو بلایا اور کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر انہیں عذابِ خداوندی سے خوف دلایا اور جو کچھ کہنے کا آپؐ کو حکم فرمایا گیا تھا، وہ آپؐ نے کہا۔

جیسا کہ امام مسلمؒ اپنی کتاب "صحیح مسلم" میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دین خیرخواہی کرنے کا نام ہے"۔ دریافت کیا گیا: "یا رسول اللہ! کس سے خیر خواہی؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا: "اللہ سے، اس کی کتاب سے، اس کے رسول سے، مسلمانوں کے ائمہ (۱) سے اور عام مسلمانوں سے"۔

شرعی حکم کے مطابق، قریبی رشتہ دار، بھلائی، خیرخواہی اور احسان کے زیادہ مستحق ہیں۔ قرابت کی دو قسمیں ہیں: ایک نسبی رشتہ داری اور دوسری دینی برادری۔ شریعت کی نظر میں دینی برادری زیادہ معتبر ہے(۲) کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ دو مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوتی۔ دینی قرابت کے نہ ہونے کی صورت میں، محض نسبی رشتہ داری، وراثت میں سے کچھ بھی نہیں دلا سکتی۔

ہمارے پیرو مرشد حضرت شیخ ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں ایک لطیف اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ کہ ایک دن میں آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "الأقربون اولیٰ بالمعروف" یعنی قریبی رشتہ دار نیکی اور احسان کے زیادہ مستحق ہیں' تو آپؒ نے فرمایا: "الاقربون" سے مراد "الاقربون الی اللہ" ہے"۔ یعنی جو خوش نصیب اللہ کے زیادہ قریب ہیں' وہ اسی نسبت سے احسان کے زیادہ حقدار ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے: "إنما المؤمنون إخوة" (الحجرات/۱۰) یعنی مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس جب ایمان ثابت ہو گیا تو برادری قائم ہو گئی اور جب برادری قائم ہو گئی تو شفقت و رحمت کا تعلق استوار ہو گیا۔ اور محبّت و شفقت کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ آپ اپنے بھائی کو عذابِ جہنّم سے نجات دلا کر جنّت کی طرف ' جہالت سے علم کی طرف' مذمّت سے حمد کی طرف اور عیب و نقص سے کمال کی طرف لے جائیں کیونکہ "لا یکمل عبدالایمان حتیٰ یحب لأخیه ما یحبّ لنفسه" (بخاری' کتاب ایمان) یعنی کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے مومن بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرنے لگے' جو وہ اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔

اور جیسا کہ امام مسلم نے اپنی کتاب میں حضور نبی کریمؐ سے روایت کی ہے:

"المؤمنون ید واحدة علیٰ من سواهم" (سنن ابی داوٗد' کتاب الجہاد' ابن ماجہ' حیات مسند احمد' ۲۲/۱ باختلاف اللفظ). یعنی تمام مسلمان اپنے مدِّ مقابل کے لیے ایک ہاتھ کی طرح متحد ہوتے ہیں۔ اور : "المؤمن للمؤمن کالبنیان یشدّ بعضه بعضاً" (بخاری ' صلوٰۃ) یعنی مسلمان دوسرے

مسلمان کے لیے کسی عمارت کی طرح ہوتا ہے جس میں ایک اینٹ کو دوسری اینٹ سے تقویت ملتی ہے۔

جان لیجیے کہ مذکورہ بالا ارشادِ نبویؐ کی تعمیل و بجا آوری میں واجب ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو نصیحت کی جائے۔ انہیں غفلت سے خبردار اور خوابِ جہالت سے بیدار کیا جائے اور انہیں دوزخ کے اس غار سے بچایا جائے جس کے دہانے پر وہ کھڑے ہیں۔

مسلمان بہت سے مراتب پر منقسم ہیں۔ ان میں سے ایک مرتبہ "تصوّف" ہے جسے اختیار کرنے والوں کو صوفیاء کہا جاتا ہے۔ صوفیائے کرام دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دیتے ہیں اور مخلوق کے مقابلے میں خالق کو اختیار کرتے ہیں۔

مسالک و مشارب کے اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں کے جتنے طبقات اور جماعتیں بھی ہیں، ان میں سے ہر گروہ کی دو حالتیں ہیں۔ کچھ تو اپنے مسلک میں راسخ اور صاحبِ حقیقت ہیں اور کچھ صرف دعویٰ کرنے والے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلّق نہیں ہے۔ پس ہر گروہ کی برادری وہی لوگ ہیں جو اس کے ہم مسلک ہیں، خواہ مدّعیوں کی طرح محض ظاہری طور پر، خواہ اہلِ حقیقت کی طرح ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے۔ یوں قرابت دار ہونے کی وجہ سے ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم انہیں تنبیہ کریں اور مسلمان ہونے کی بنا پر انہیں نصیحت کریں، ان سے خیر خواہی کریں اور بھائی چارے کے لحاظ سے ان پر شفقت کریں۔

جان لیجیے کہ یہ راستہ یعنی راہِ خداوندی، وہی صراطِ مستقیم ہے جو سب راستوں سے عظیم و اعلیٰ ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی راستے کی عظمت و بزرگی کے معیار کا فیصلہ اس کی منزل کو مدّنظر رکھ کر ہی کیا جاتا ہے۔ اور

چونکہ اس راستے کی منزلِ مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو موجودات میں سب سے زیادہ صاحبِ عظمت اور معلومات میں سب سے زیادہ عزّت والی ہستی ہے جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اس لیے وہ راستہ جو اس ہستی کی طرف جاتا ہے، وہ سب راستوں سے بہتر و برتر ٹھہرا۔ اس راستے کی نشان دہی کرنے والا دوسرے سب راہبروں کا سردار اور باقی سب راہنماؤں سے اکمل و اعظم قرار پایا اور اس راستے کا مسافر دوسرے تمام راستوں کے راہ نوردوں سے زیادہ خوش بخت اور زیادہ نجات پانے والا ہوا۔ پس عقلمند کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ اس کے سوا اور کسی راستے کا انتخاب نہ کرے کیونکہ یہی وہ واحد راستہ ہے جس کا تعلّق ابدی سعادت و برکت سے ہے۔

جان لیجیے کہ خدا کے راستے پر گامزن ہونے والے لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک صادق اور دوسرے صدیق، ایک تابع اور دوسرے متبوع۔ تابع کو مرید، سالک اور شاگرد کہا جاتا ہے اور متبوع سے مراد شیخ، استاد اور معلّم ہے، خواہ وہ فی الوقت کسی کا شیخ اور معلّم ہو یا نہ ہو۔ بس وہ استاد اور معلّم بننے کا اہل ہو اور مشیخت و ارشاد کی قابلیت اور اس مقام کی استعداد رکھتا ہو۔

میری خواہش اور مقصد یہ ہے کہ میں اس رسالے میں پیر کے مرتبے اور اس کے لوازم و آداب اور مرید کے مقام اور اس کے لوازم و آداب کا بیان کروں، (۳) جن کے مطابق انہیں راہِ سلوک طے کرنا ہے اور جن پر اہل طریقت کا عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام: "المحکم المربوط فیما یَلزم أهلَ طریق اللّٰه تعالیٰ من الشّروط" رکھا ہے کیونکہ زمانہ بڑے بڑے لمبے چوڑے دعووں سے بھرا پڑا ہے۔ نہ کوئی مرید صادق راہِ سلوک میں ثابت قدم نظر آتا ہے، نہ ہی کوئی شیخِ محقق دکھائی دیتا ہے جو مرید کی خیر خواہی کرے، اسے رعونتِ نفس اور خودرائی سے نکالے اور

راہِ حق اس پر آشکار کر دے۔ (آج کل) مرید (درجہ مریدی ہی میں) مشیخت اور بڑائی کا دعویدار ہو جاتا ہے اور یہ سب خللِ دماغ اور تلبیسِ ابلیس ہے۔

جان لیجیے کہ دعوت الی اللہ کا مقام، مقامِ نبوّت ہے یا نبوّت کی وراثتِ کاملہ کا مقام۔ جسے یہ مقام حاصل ہوتا ہے، اسے زمانۂ نبوّت میں "نبی" اور زمانۂ نبوّت کے بعد (۴) "شیخ"، "وارث" اور "استاد" کہا جاتا ہے۔ یہ بات ان علماء کے متعلق ہے جو علمائے حق ہوں، انبیاء اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور شیخ وہ ہے جس کے بارے میں اکابر اہلِ طریقت نے فرمایا ہے: "من لّم یکن لّه استاذ فإنّ الشّیطان استاذه" (۵) یعنی جس کا کوئی استاد اور شیخ نہ ہو، اس کا استاد، شیطان ہوتا ہے۔ اور نبی کریمؐ کے استاد (بظاہر) جبرئیل علیہ السّلام ہیں۔

ہرویؒ نے اپنی کتاب "درجات التّائبین" میں ایک حدیث نقل کی ہے اور وہی روایت مجھے ۵۹۹ھ میں حضرت شریف جمال الدّین یونس بن یحییٰ بن الحسنؒ سے، جو حضرت عباسؓ بن عبدالمطّلب کی اولاد میں سے ہیں، کعبہ معظّمہ میں رکنِ یمانی کے سامنے پہنچی۔ انہوں نے فرمایا: "مجھے ابو الوقت عبدالاوّل بن عیسیٰ السجزی نے روایت کی اور انہیں عبدالاعلیٰ بن عبدالواحد الملیحی نے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ جبرئیل علیہ السّلام پہلے ہی حاضر خدمت تھے۔ فرشتے نے کہا: "یا رسول اللہؐ! اللہ نے آپؐ کو اختیار دیا ہے کہ آپؐ چاہیں تو اللہ کے نبی اور محض ایک بندہ بننا پسند فرما لیں، چاہیں تو نبی اور بادشاہ بننے کو ترجیح دیں"۔ جبرئیل علیہ السّلام نے آپؐ کو تواضع اختیار کرنے کا اشارہ کیا اور حضورِ اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: "میں چاہتا ہوں کہ اللہ کا نبی اور اس کا بندہ بنوں!"

اس حدیث کے بیان سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السّلام کا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دینا ثابت کریں۔ چونکہ آپؐ نے وہی اختیار کیا جو جبرئیل علیہ السّلام چاہتے تھے۔ اس لیے اس جگہ (ظاہری طور پر) جبرئیل علیہ السّلام شیخ اور معلّم کے قائم مقام تھے اور حضور رسالت مآبؐ ایک متعلّم کی طرح۔

اسی باب میں ارشادِ الٰہی ہے: "ولا تعجّل بالقرآن من قبل أن يُقضىٰ اليك وَحْيُه" (طٰہٰ/۱۱۴) اور "لا تحرّك به لسانك لتعجل به إنّ علينا جمعه وقرآنه فإذا قرأنه فاتّبع قرآنه" (القیامہ/۱۶) یعنی نزولِ وحی کے دوران میں، اس کا سلسلہ منقطع ہونے سے پہلے، قرآن کو یاد کرنے میں عجلت سے کام نہ لیجیے اور وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے، اس کے القاء کے دوران میں زبان نہ ہلائیے۔ قرآن کا جمع رکھنا اور پڑھنا (پڑھوانا) ہمارے ذمے ہے۔ پس جب ہم اسے پڑھ چکیں تو آپ اس کی اتباع فرمائیے۔

نیز حدیث نبویؐ ہے: "إنّ الله أدّ بنی فأحسن ادبی" یعنی اللہ نے مجھے ادب سکھایا اور احسن ادب سکھایا۔ پس ضروری ہوا کہ سالک کے لیے کوئی نہ کوئی ادب سکھانے والا ہو، اور اسی کا نام استاد ہے۔ چونکہ یہ راستہ شرف و عزّت میں اعلیٰ درجہ رکھتا ہے، اس لیے اس پر ہر طرف سے آفات، رکاوٹوں اور مہلک سانحات کا ہجوم رہتا ہے۔ شجاع اور پیش قدمی کرنے والے انسان کے علاوہ اور کوئی اس راستے پر گامزن نہیں ہو سکتا اور اسے بھی اس کا فائدہ تبھی ہو گا جب کوئی رہبرِ کامل اس کے ساتھ ہو گا۔ اس لیے شیخ پر واجب ہے کہ وہ اپنے فرائضِ منصبی پورے کرے اور مرید پر فرض ہے کہ وہ طریقت پر کاربند ہونے کا حق ادا کرے۔

جان لیجیے کہ مقامِ شیخ پر فائز ہو جانا، سالک کی منزلِ مقصود نہیں کیونکہ شیخ بھی اپنے رب سے ان مراتب و مدارج کا طالب ہوتا ہے، جو ابھی

اسے حاصل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے: "وقل ربّ زدنی علما" (طٰہٰ/ ۱۱۴) اور دعا کیجیے اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

پس استاد اور پیر و مرشد کی صفت ہے کہ وہ خطراتِ نفسانی و شیطانی اور ملکوتی و ربانی کا عارف ہو' اس سبب سے بھی پوری طرح واقف ہو جس سے وہ خطرات پیدا ہو رہے ہوں' ان خطرات کی ظاہری حرکات اور ان کے امراض و علل کو بھی پہچانتا ہو جو عینِ حقیقت تک پہنچنے میں مانع ہوں۔ ان بیماریوں کی دوائیں اور ان ادویہ کی کیفیت و ماہیت بھی جانتا ہو' ان اوقات کا علم بھی رکھتا ہو جن میں مرید کو ان دواؤں کے استعمال پر آمادہ کیا جا سکے' مریدوں کا مزاج شناس ہو۔ والدین' اولاد' اقربا اور بادشاہ جیسے خارجی علائق و موانع سے آگاہ ہو اور ان کی تدبیر و سیاست سے خبردار ہو اور مریض مرید کو ان (ظاہری و باطنی امراض و موانع) سے نجات دلائے سکے۔ لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب مرید بذاتِ خود طریقت کی طرف راغب ہو۔ اگر مرید طریقت سے رغبت نہیں رکھتا تو پھر اس کے لیے کوئی فائدہ نہیں۔

شیخ کے لیے شرط ہے کہ وہ مرید کو بے لگام نہ چھوڑ دے۔ جب بھی کسی مرید کو کسی کام کے لیے باہر جانا ہو تو اس سے اجازت لے کر جائے۔

شیخ کے لیے شرط ہے کہ اگر مرید سے کوئی لغزش ہو جائے تو وہ اس کوتاہی پر مرید کو تنبیہ و ملامت اور زجر و توبیخ کرے اور اس سلسلے میں ہرگز عفوودرگذر سے کام نہ لے۔ اگر شیخ نے مرید سے مواخذہ نہ کیا تو گویا اس نے اپنے منصب کا حق ادا نہیں کیا۔ ایسے شیخ کی مثال ایک ایسے بادشاہ کی سی ہے جو اپنی رعیّت سے خیانت اور بددیانتی کا مرتکب ہوتا ہے اور اپنے رب کی حرمت پر قائم نہیں رہتا۔ یہ حکم اس لیے ہے کہ ارشادِ نبویؐ ہے:

"من ابدى لنا صفحة أقمنا عليه الحدّ"۔ یعنی جس کا جرم ظاہر ہو گیا' ہم اس پر حد قائم کریں گے۔

شیخ کے لیے شرط ہے کہ وہ مرید سے عہد لے کہ وہ اپنے قلبی خطرات و وساوس اور باطنی احوال و کیفیات اپنے شیخ سے نہیں چھپائے گا۔ جب طبیب جڑی بوٹیوں کی صورت' خواص اور ترکیبِ ادویہ سے ناواقف ہو تو وہ مریض کے لیے مہلک ہے۔ اس لیے شکل و صورت پہچانے بغیر محض خواص و اثرات کا علم ناکافی ہے۔ مثلاً اگر کوئی دوا فروش' مریض کا دشمن ہو اور اس کو قتل کرنا چاہتا ہو اور ادویہ کی شکل و صورت سے ناواقف طبیب اس سے کوئی دوا طلب کرے' دوا فروش اسے مطلوبہ دوا کی بجائے کوئی اور مہلک دوا دے دے اور طبیب لا علمی کی بنا پر وہی دوا مریض کو پلا دے اور وہ بیچارہ ہلاک ہو جائے تو اس کا گناہ دوا فروش کو بھی ہو گا اور طبیب کو بھی کیونکہ طبیب پر واجب تھا کہ وہ کوئی ایسی دوا استعمال نہ کرے جس کی شکل و صورت اور حقیقت و خاصیت نہ جانتا ہو۔ بالکل اسی طرح مریدوں کے لیے وہ شیخ بھی مہلک ہے جو صاحبِ ذوق نہ ہو اور جس نے محض کتابیں پڑھ کر یا لوگوں سے سن سن کر علمِ طریقت حاصل کیا ہو اور صرف عزّت و شہرت کے حصول کے لیے مریدوں کو تلقین و ارشاد کرنے بیٹھ گیا ہو۔ جو شیخ سالک کے معاملات و مسائل کو نہیں سمجھتا' اس کی تقلید سخت نقصان دہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ شیخ کو انبیاء کا سا دین' اطبّا کی سی تدبیر اور بادشاہوں کی سی سیاست حاصل ہو اور اسی وقت وہ استاد اور شیخ کہلائے جانے کا اہل ہے۔

شیخ پر واجب ہے کہ امتحان اور آزمائش کے بغیر کسی شخص کو حلقہ ارادت میں شامل نہ کرے۔

شیخ کے لیے شرط ہے کہ مرید کے ہر سانس اور ہر حرکت کا محاسبہ

کرے اور جس مرید کو جتنا زیادہ اطاعت گذار اور فرماں بردار دیکھے' اس کے لیے اتنی ہی زیادہ سختی روا رکھے(٦) کیونکہ یہ راستہ ہی سختی و شدّت کا ہے۔ نرمی کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ رخصتیں تو عام لوگوں کے لیے ہیں کیونکہ عوام محض اسی پر قانع ہوتے ہیں کہ ان پر ایمان کا لیبل لگ جائے۔ عوام تو بمشکل فرائض ہی ادا کر پاتے ہیں اور جو شخص عوام کے درجے سے بڑھ کر زیادہ بلند اور اعلیٰ تر مقام کا طالب ہے اسے چاہیے کہ اس مرتبے کے حصول میں مصائب و آلام برداشت کرے۔ جس شخص کی خواہش ہے کہ اپنے سینے پر موتیوں کا ہار دیکھے' اسے قعرِ دریا کے اندھیروں سے سمجھوتا کرنا پڑے گا اور اس کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ سانس روکے رکھے کیونکہ غوطہ خوروں کے لیے سانس روکے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں۔ اس مثال سے ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا۔

ہمارے امام حضرت شیخ ابو مدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ”مرید کو رخصت سے کیا سروکار؟“ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ” والّذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا“ (العنکبوت/٦٩) یعنی جو لوگ ہماری بندگی میں جدّوجہد اور ریاضت کرتے ہیں' ان کو ہم اپنے راستوں کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔

تم کس خیالِ خام میں مبتلا ہو؟ ریاضت و مجاہدہ کے بعد ہی صراطِ مستقیم تک رسائی ہو گی اور اس وقت ہی اس پر گامزن ہونا ہو گا۔ رہ نوردی' سفر ہے اور سفر' عذاب کا ایک ٹکڑا۔ ایک عذاب سے دوسرے عذاب کی طرف منتقل ہوتے رہنے کا نام سفر ہے۔ اس میں راحت کہاں!

شیخ کے لیے شرط ہے کہ وہ اس وقت تک مسندِ مشیخت اور سجّادۂ طریقت پر نہ بیٹھے' جب تک کوئی شیخِ کامل اسے وہاں نہ بٹھائے۔ یا یہ کہ اسے اللہ کی طرف سے وہاں بیٹھنے کا حکم ہو اور اس کے ساتھ اللہ کا معاملہ ایسا ہو کہ شیخ کی وساطت کے بغیر' براہِ راست اس کی تربیت کی جاتی ہو۔(٧)

شیخ کے لیے شرط ہے کہ جب وہ کسی مسئلے پر گفتگو کر رہا ہو اور کوئی جھگڑالو اس کے مقابلے میں اٹھ کھڑا ہو تو شیخ بات ختم کر دے۔ صوفیائے کرام بحث و تکرار اور جھگڑا کرنے والوں سے کلام نہیں کرتے کیونکہ ان کے علوم وراثتِ نبوی ہوتے ہیں اور جھگڑے کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں جب کسی بات میں جھگڑا ہوتا تو آپؐ فرماتے: "نبی کے سامنے مناظرہ و جدال مناسب نہیں ہے"۔

اگرچہ معارفِ الٰہی اور لطیف اشاراتِ ربانی کے ادراک کی خداداد صلاحیت عقل کو ودیعت کی گئی ہے لیکن پھر بھی یہ احاطۂ فہم سے ماورا ہیں۔ ان علوم میں کشف کے سوا اور کوئی ذریعۂ حصول نہیں ہے۔ اس لیے جب کوئی شخص مشاہدہ و معائنہ کر کے کوئی خبر دے تو سامع کے لیے اس میں بحث و تکرار جائز نہیں۔ بلکہ احکامِ طریقت کے مطابق اس پر واجب ہے کہ اگر وہ اس صاحبِ کشف کا مرید ہے تو اس کی تصدیق کرے اور اگر کوئی اجنبی ہے تو اسے تسلیم کرے کیونکہ اگر مرید اپنے پیر کے قول کی صداقت کا اعتقاد و یقین نہیں رکھتا تو بھلا کیسے فلاح یاب ہو سکتا ہے؟

جب تم دیکھو کہ کسی پیر نے اپنے مرید کو بے لگام چھوڑ رکھا ہے اور مرید اس کے اقوال و ارشادات میں عقلی و نقلی دلائل سے استدلال کرتا ہے اور شیخ اسے زجروتوبیخ نہیں کرتا تو وہ اس کی تربیت میں خیانت سے کام لے رہا ہے۔ مرید جن عجائب و غرائب مظاہر کا مشاہدہ نہیں کرتا، ان کے متعلق اس کی گفتگو مناسب نہیں ہے، بلکہ اس پر سکوت واجب ہے اور ایسے امور میں غوروفکر اس پر حرام ہے، اور دلیلوں کی طرف دیکھنا بھی اس کے لیے ممنوع ہے۔ پس جو شیخ اپنے مرید کو ایسی حالت میں چھوڑے رکھتا ہے، اسے اس شخص کا رہبر و مرشد نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ اس کی ہلاکت اور

تباہی و بربادی میں کوشاں ہے' اس کے حجابات میں اضافہ کرنے والا اور اسے خدا کے دروازے سے مردود کرانے کا سبب ہے۔

جب کوئی مرید معاملاتِ طریقت میں عقل کا استعمال کرنے لگے اور مسائل میں شیخ کی رائے کی طرف رجوع نہ کرے تو شیخ کے لیے اس کو خانقاہ سے نکال باہر کرنا ہی بہتر ہے ورنہ وہ دوسرے مریدوں کو بھی خراب کر دے گا اور خود بھی کبھی فلاح نہیں پا سکے گا۔

مریدین تو عرائس اللہ ہیں یعنی دلہنوں اور حوروں کی طرح خیموں میں خلوت گزیں ہیں اور اپنی آنکھیں ہر نظارے سے دور رکھنے والے ہیں سوائے اس منظر کے' جس کی طرف ان کا شیخ انہیں لیے جا رہا ہے۔

شیخ کے لیے واجب ہے کہ جب وہ محسوس کرے کہ کسی مرید کے دل میں اس کی عزّت و تکریم ختم ہو گئی ہے تو اسے بطورِ سزا اپنی خانقاہ سے فارغ کر دے کیونکہ وہی اس کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے:

"اپنے دشمن سے ایک مرتبہ ڈرو اور دوست سے ہزار مرتبہ۔ کیونکہ بعض اوقات جب دوست' دشمن بن جاتا ہے تو وہ نقصان پہنچانے کے زیادہ راستے جانتا ہے"۔

ایسے شخص کے لیے ظواہرِ شریعت اور عمومی طریقۂ عبادت میں مشغول رہنا واجب ہے۔ شیخ کو چاہیے کہ اپنے تمام متوسّلین' اولاد اور اقارب کو ایسے مرید کے ساتھ میل جول رکھنے سے روک دے کیونکہ مرید کے لیے غیر مرید کی صحبت سب سے زیادہ مضر ہے۔

شیخ کو تین طرح کی مجالس منعقد کرنی چاہییں۔ پہلی مجلس عوام الناس کے لیے' دوسری اپنے تمام متعلّقین کے لیے اور تیسری ہر مرید کے لیے انفرادی طور پر۔ ضروری ہے کہ مجلسِ عام میں کسی مرید کو نظرانداز نہ کیا

جائے۔ اگر شیخ نے انہیں مجلسِ عوام میں شریک نہ کیا تو ان کی حق تلفی کی۔

شیخ کے لیے شرط ہے کہ عام محفل میں معاملات یعنی احوال کے نتائج، کرامات کے آثار اور آدابِ شریعت کی حفاظت و احترام کا یوں بیان کرے جس طرح مقبولانِ بارگاہ نے کیا ہے اور اس سے تجاوز نہ کرے۔

شیخ کے لیے شرط ہے کہ بزمِ خاص میں اذکار، خلوتوں، ریاضتوں اور آیت کریمہ "والّذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا" (العنکبوت/۶۹) سے متعلّق راستوں کی تشریح و تفسیر سے آگے نہ بڑھے۔

شیخ کے لیے شرط ہے کہ انفرادی مجلس میں جب اپنے مرید کے ساتھ تنہا بیٹھے تو اسے زجر و توبیخ کرتا رہے اور مرید اپنے جو احوالِ باطنی بھی پیش کرے، شیخ یوں ظاہر کرے کہ گویا یہ ناقص حال اور کمتر درجہ ہے اور مرید کو اس کی کم ہمتّی اور کوتاہی پر تنبیہ کرے اور اسے اپنے حال پر مغرور و متکبّر ہو کر کسی فتنے میں مبتلا نہ ہونے دے۔

شیخ کے لیے واجب ہے کہ وہ خلوت مع اللہ کے لیے اپنا کوئی خاص وقت مقرّر کر لے اور اس وقت جو حضور اسے حاصل ہو چکا ہو، اس پر توکّل و اعتماد نہ کرے کیونکہ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے: "لی وقت لا یَسَعُنی فیه غیر ربّی"۔ یعنی میرا کوئی وقت ایسا ہوتا ہے جس میں غیرِ خدا کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ نفس کو ایک مدّت تک عادتِ حضور اور اللہ کے سوا تمام ظاہری و باطنی چیزوں کے دائمی ترک سے قوّتِ حضوری حاصل ہوئی ہے۔ پس اگر یہ عادتِ حضور اور ترکِ ماسوی اللہ پر مداومت نہیں رہے گی تو قوّت حضوری بھی سلب ہو جائے گی۔

شیخ کو جس طریقے سے عزّت حاصل ہوئی ہے، اگر وہ اسی طریقے سے اپنے احوال کی حفاظت نہیں کرے گا تو امکان ہے کہ دھوکے میں پڑ

جائے گا اور آہستہ آہستہ اپنی پرانی عادت اسے سست کر دے گی۔ پھر وہ خلوت میں بھی انس سے محروم رہے گا بلکہ اسے خلوت سے وحشت ہونے لگے گی۔

جو کیفیات و حالات' نفس کی طبیعت و جبلّت سے متصادم ہیں' ان سب کا یہی حال ہے کہ ان کے حصول پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ بہت جلد روبہ زوال ہو جاتے ہیں۔ ہم نے کئی مشائخ کو اپنے مقامات سے گرے ہوئے دیکھا ہے۔ اللہ ہمیں اور انہیں عافیت عطا فرمائے۔ (آمین)

ارشاد ربّانی ہے: " إنّ الإنسان خلق هلوعاً إذا مسّه الشّرّ جزوعاً وإذا مسّه الخير منوعاً" (المعارج/۱۹) یعنی انسان کو کم ہمّت پیدا کیا گیا ہے۔ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو چیخ اٹھتا ہے اور جب فارغ البال ہوتا ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔ اس آیت میں اللہ نے تمام رذائلِ نفس کو جمع فرما دیا ہے اور بیان کر دیا ہے کہ جتنے فضائل بھی نفس کو حاصل ہیں' وہ اس کے جبلّی اور طبعی نہیں۔ اس لیے ان کا تحفّظ واجب ہے۔

شیخ کے لیے شرط ہے کہ جب کوئی مرید اس سے اپنا کوئی خواب' مکاشفہ یا مشاہدہ بیان کرے تو شیخ اس کی حقیقت کے متعلّق مُرید کے سامنے ہرگز گفتگو نہ کرے۔ البتہ اس کو ایسے اعمال ضرور بتا دے جن سے وہ اپنا حجاب اور نقصان دور کر سکے۔ یا اس کو بلند تر مقام کی طرف متوجّہ کر دے تاکہ اس میں کبر و نخوت کا احساس پیدا نہ ہو۔ جب شیخ اپنے مرید کے خواب یا کشف وغیرہ کے بارے میں گفتگو کرے گا تو اس کے حق میں اچھا نہیں کرے گا۔ کیونکہ شیخ جتنی بے تکلّفی کرے گا' مرید کے دل میں اس کی عزّت اتنی ہی گھٹ جائے گی اور جس قدر شیخ کی عظمت اس کے دل میں کم ہو گی' اسی قدر وہ اس کی اطاعت سے منکر ہو جائے گا اور جب اتباع اور اخذِ تربیت سے انکار پیدا ہو گا تو عمل بھی جاتا رہے گا اور جب عمل نہیں ہو گا تو حجاب

حائل ہو جائے گا اور وہ مردود ہو کر طریقت سے خارج ہو جائے گا اور اس کی مثال سگِ آوارہ کی سی ہو جائے گی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے اس حالت سے پناہ مانگتے ہیں۔

شیخ کے لیے شرط ہے کہ مرید کو کسی کی مجلس میں نہ بیٹھنے دے، سوائے ان اصحابِ طریقت کے جو اسی شیخ کے مرید ہوں۔ مرید نہ کسی سے ملنے جائے، نہ کوئی اس سے ملنے آئے، نہ کسی سے اچھی بری بات کرے اور اگر اس سے کوئی کرامت ظاہر ہو تو اپنے پیر بھائیوں میں سے بھی کسی سے بیان نہ کرے۔ اگر شیخ ان باتوں میں مرید پر پابندی نہیں لگاتا تو اس کے حق میں برا کرتا ہے۔

شیخ کے لیے شرط ہے کہ اپنے مریدین کے ساتھ چوبیس گھنٹوں میں ایک سے زیادہ بار مجلس نہ کرے۔ شیخ کے لیے گھر میں ایک کنجِ تنہائی ہونا چاہیے جس میں اس کی اولاد میں سے بھی کسی ایک مخصوص فرد کے علاوہ اور کوئی نہ جا سکے اور بہتر تو یہی ہے کہ گھر کا کوئی مخصوص شخص بھی وہاں نہ جائے تاکہ شیخ اس خلوت میں کسی مخلوق کی صورت نہ دیکھ پائے کیونکہ کسی کا دیکھنا اس شخص کی روحانی قوّت کی مقدار کے مطابق، احوالِ باطنی پر اثرانداز ہوتا ہے اور اکثر اوقات اس کی وجہ سے اپنی خلوت میں خدا کے ساتھ شیخ کے احوال متغیّر ہو جاتے ہیں اور اس تبدیلی کا احساس ہر شیخ کو نہیں ہو سکتا۔

اور شیخ کی اپنے اصحاب کے ساتھ مجلس کے لیے بھی کوئی گوشہ مقرر ہونا چاہیے۔

شیخ کے لیے شرط ہے کہ اپنے مرید کے لیے ایک گوشۂ تنہائی مقرّر کر دے جو صرف اور صرف اسی کے لیے مخصوص ہو، کوئی دوسرا اس میں نہ جا سکے۔ شیخ کے لیے مناسب ہے کہ جب کسی مرید کے لیے کوئی گوشہ معیّن

کرے تو پہلے خود اس میں جا کر دو رکعتیں پڑھے اور مرید کی روحانی استعداد' مزاج اور مقتضائے حال میں غور کرے۔ پھر ان رکعتوں میں مرید کے مناسبِ حال جمعیّتِ خاطر اختیار کرے اور پھر اسے گوشے میں بٹھا دے۔ کیونکہ اگر شیخ ایسا کرے گا۔تو اس سے مرید کے لیے فتح و نصرت قریب ہو جائے گی اور اس کی برکت سے مرید کی خیر جلدی اسے پہنچے گی۔

شیخ کو چاہیے کہ اپنی مجلس کے علاوہ' مریدین کو آپس میں بھی جمع نہ ہونے دے۔ جو شیخ اپنے مریدوں کو اس سلسلے میں ڈھیل دیتا ہے' وہ ان کے حق میں برا کرتا ہے۔

☆☆☆☆

حواشی

۱- ائمہ سے علماء، مشائخ، حکّام اور عمائد مراد لیے جا سکتے ہیں۔

۲- شریعت میں نسبی برادری کی وقعت و اہمیّت اپنی جگہ مسلّمہ ہے لیکن دینی قرابت کو بہرحال فضیلت دی گئی ہے۔

۳- رسالے میں آدابِ مرید کے بیان کے لیے کوئی الگ باب قائم نہیں کیا گیا بلکہ آدابِ شیخ ہی کے تحت، جزوی طور پر آدابِ مرید بھی بیان کر دیے گئے ہیں۔

۴- بدیہی ہے کہ حضرت ابنِ عربیؒ ختمِ نبوّت پر ایمانِ کامل رکھتے تھے۔ ''فتوحاتِ مکیہ'' کی ایک عبارت سے متعلق بعض غلط فہمیوں کی بنا پر اس مسئلے میں جو شکوک و شبہات پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ہے، یہ دلیل ان سب کی تردید کے لیے کافی ہے کیونکہ اگر وہ عقیدۂ ختمِ نبوّت کے منکر ہوتے تو انہیں ''زمانۂ نبوّت کے بعد'' کہہ کر خود اپنی رائے کے رد کی کیا ضرورت تھی؟

آغا شورش کاشمیری مرحوم اپنے ایک مضمون ''علامہ اقبالؒ اور قادیانیت'' میں علامہ اقبالؒ کی رائے قلمبند کرتے ہیں: ''مَیں فتوحاتِ مکیہ سے متعلقہ عبارتوں کا مطالعہ غور و احتیاط سے کر چکا ہوں اور مجھے یقین ہو چکا ہے کہ یہ عظیم القدر ہسپانوی صوفی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خاتمیّت کا ویسا ہی پختہ معتقد ہے جیسا کوئی راسخ العقیدہ مسلمان ہو سکتا ہے''۔

۵- تصوّف کی عام کتابوں میں اس قول کو حدیث کے طور پر بیان کیا جاتا ہے لیکن حضرت ابن عربیؒ کی تحقیق کے مطابق یہ مشائخ میں

سے کسی کا ملفوظ ہے اور یہی صحیح ہے۔

۶- اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے لیے دوسروں سے زیادہ مجاہدہ تجویز کرے، اس کی زیادہ نگرانی کرے اور معمولات میں کوتاہی پر سختی سے اس کا محاسبہ کرے۔

۷- مشائخِ طریقت نے ایسے شیخ و مرشد کے لیے بھی ایک کڑا معیار متعیّن فرمایا ہے:

۱- سجّادۂ طریقت پر ازخود بیٹھنے والا ظاہری و باطنی طور پر شریعت کا پابند ہو۔

۲- زہد و تقویٰ میں بے مثال ہو۔ جلوت و خلوت میں مکروہات اور مشتبہات سے مکمل پرہیز کرتا ہو اور شریعت و طریقت کے احکام پر عمل پیرا ہو کر اسے روحانی مسرّت ملتی ہو۔

۳- اس کے معاصر علمائے کرام اسے مستند عالمِ دین اور صوفیا اسے صاحبِ ذوق اور پاکیزہ باطن تسلیم کرتے ہوں۔

۴- جب وہ صاحبِ سجّادہ ہو تو وقت کے اکثر علماء اور مشائخ اس کی مسند نشینی کی تائید کریں یا کم از کم اسے نااہل سمجھتے ہوئے مخالفت نہ کریں اور خاموش رہیں۔

۵- اس سے فیض یاب ہونے والے مریدوں میں بھی شریعت کی پابندی اور زہد و تقویٰ کے آثار ظاہر ہونے لگیں۔

☆☆☆

سالك از نورِ هدایت بِبَرد راه به دوست

که به جایی نَرَسد گر به ضلالت بَرَوَد

(حافظ)

فهارس

شرممان باد زِ پشمینهٔ آلودهٔ خویش
گر بدین فضل و هُنَر نامِ کرامات بَریم

(حافظ)

فهرست آیات و احادیث و اقوال

☆☆☆

رجال

اماکن

کتب

☆☆☆

"شعبۂ فارسی یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور کے استاد، محترم معین نظامی نے حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے ایک مختصر مگر جامع اور مفید رسالے کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ انھوں نے ترجمے کا اسلوب بہت آسان اور عام فہم رکھا ہے۔ اس عمدہ کام پر وہ بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں"۔

❁پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت❁

"معظم آباد (مرولہ شریف، ضلع سرگودھا) سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ کی قدیم خانقاہ ہے۔ جناب صاحبزادہ معین نظامی اسی خانقاہ کے دودمان کے چشم و چراغ ہیں۔ موجودہ دور کے مشائخ کی اولاد میں اُن کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ سلجھا ہوا علمی اور روحانی ذوق رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عربیؒ کے رسالہ مبارکہ کا جس عمدگی سے اُنھوں نے ترجمہ کیا ہے، اس پر بے ساختہ دل سے تحسین و مرحبا کی آوازیں بلند ہوتی ہیں"۔

❁محمد عبدالحکیم شرف قادری❁

"ہمارے عہد میں سلسلۂ چشتیہ کی جمالی روایات کو علمی جلال سے دو آتشہ کیے ہوئے صاحبزادہ غلام معین الدین نظامی نے اپنے اسلاف کی علمی روایت کو آگے بڑھایا ہے اور شیخِ اکبرؒ کے اس اہم رسالے کو متین اور جلیل اسلوب میں عربی سے اردو میں منتقل کر کے اور اس پر ضروری حواشی لکھ کر اس کی افادیت دو چنداں کی دی ہے۔ محترم معین نظامی کا یہ ترجمہ بھی اُن کے دیگر ادبی تراجم کی طرح پسند کیا جائے گا"۔

❁پروفیسر ڈاکٹر عارف نوشاہی